تنزیل وتاویل

تفسیر آیہ مَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی

(۲)

از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی

قرائن سے استدلال اس میں تو شک نہیں کہ سورۂ انفال میں غزوۂ بدر پر تبصرہ کیا گیا ہے اور تفصیل سے مسلمانوں کو اصول جنگ کی تعلیم دیگئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اسی سورہ کی بعض آیات میں ذرا ذرا وقفہ کے بعد یہودیوں پر کیوں نشتر زنی کی گئی ہے اگر واقعی غزوۂ بدر کے سلسلہ میں انھوں نے کوئی شرارت نہیں کی تھی؟ [1] قرآن کا جواب اثبات میں ہے یہی نہیں بلکہ اس کا دعوی ہے کہ بدر کی لڑائی یہودیوں ہی کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی چنانچہ اسی سورۂ (انفال) کی ایک آیت سے قرآن کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے ملاحظہ ہو۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطَانُ اَعْمَالَھُمْ وَ — اور یاد کرو جب شیطان نے انکی تدبیروں کو اچھا

قَالَ لَا غَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ — کر دکھایا اور کہا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور

[1] ترجمان القرآن۔ یہ کس نے کہا کہ سورۂ انفال میں یہودیوں کا کہیں ذکر نہیں آیا؟ سوال تو یہ تھا کہ یہودیوں سے خطاب کہاں کیا گیا ہے؟ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ سورۂ انفال میں غزوۂ بدر پر تبصرہ کیا گیا ہے اور اس تبصرہ کے مخاطب کفار نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔ اب یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو خطاب کر کے جنگ بدر کے اسباب اور نتائج اور مسلمانوں کی کامیابی کے وجوہ اور ایسے ہی دوسرے امور پر کلام کیا جائیگا تو اس میں دوسرے فریق کی کمزوریوں اور اسکے جرائم کا بھی ذکر آئیگا لیکن یہ ذکر اس حیثیت سے نہ ہوگا کہ خود وہی فریق اس کا مخاطب ہے بلکہ اس حیثیت سے ہوگا کہ مسلمان انکی شرارتوں سے واقف ہوں اور یہ بھی جان لیں کہ اس کے کمزور پہلو کون سے ہیں۔

فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۴۸ - انفال)

میں تمہارے ساتھ ہوں، پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں کھسک گیا اور بولا کہ مجھے کچھ مطلب نہیں میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں ہی نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف شہ دی تھی۔ ممکن ہے کسی کو اس مقام پر شبہہ ہو کہ مذکورہ بالا آیت میں یہود کا کہاں تذکرہ ہے؟ اس شبہہ کا امکان ہے لیکن اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس مقام پر شیطان سے یہودی ہی مراد ہیں[1] اور اس معنی میں یہ لفظ غریب نہیں ہے بلکہ اسی معنی کی تعبیر کے لیے بے شمار مقامات پر آیا ہے۔ اطمینان کے لیے سورۂ بقر کی آیت (۱۴) اور سورۂ مجادلہ کی آیت (۱۰) کی طرف مراجعت کرنی چاہیئے[2] خوف طوالت مانع ہے ورنہ اس مفہوم

[1] ترجمان القرآن۔ یہاں ہمارے فاضل دوست نے اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ کے الفاظ کو متن اور ترجمہ دونوں میں چھوڑ دیا ہے۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے قصداً ایسا کیا ہے، مگر یہ واقعہ ہے کہ یہ الفاظ ان کے مدعا کے خلاف پڑتے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں شیطان سے مراد یہود ہیں۔ مگر آیت میں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ شیطان نے جب دونوں کو مقابل دیکھا تو بول اٹھا کہ "اے کافرو! میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتی میں اللہ سے ڈرتا ہوں"۔ خط کشیدہ الفاظ میں صریح اشارہ ہے اس لشکر ملائکہ کی طرف جو اصحاب رسولؐ کی مدد کے لئے خدا نے بھیجا تھا (اِنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ) اور جس کے متعلق سورۂ توبہ میں جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا کہا گیا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اس غیر مرئی طاقت کو دیکھنا اور خدا کے عذاب سے ڈر کر بھاگ جانا اسی شیطان کا فعل ہو سکتا ہے جو ناری الاصل ہے، نہ کہ یہود کا۔ اگر آپ کو اس بات سے انکار ہے تو ارشاد ہو کہ یہودیوں نے آخر کونسی چیز دیکھی تھی جو کفار مکہ نہیں دیکھ سکتے تھے؟

[2] یہاں ہمارے فاضل دوست ایک غلطی کو سہارا دینے کے لیے دوسری غلطی اور عظیم تر غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ قرآن میں جہاں کہیں الشیطان الف لام تعریفی کے ساتھ آیا ہے وہاں شیطان سے مراد وہی ناری مخلوق ہے جس سے بنی آدم کی ازلی عداوت چلی آتی ہے اور جس کا کام انسان کو بہکا کر غلط راستہ پر لے جانا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کہیں انسانوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے، تو تحقیق سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ قرآن میں جن مقامات پر شیطان سے انسان مراد ہیں وہاں الف لام تعریفی نہیں ہے اور اس معنی پر دلالت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی صریح قرینہ موجود ہے مثلاً سورہ بقر کی چودھویں آیت میں یہ الفاظ ہیں: وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ۔ سورۂ انعام میں ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (الخ)۔

کی آیات نقل کرتے۔

ایک دوسرے مقام پر پیش نظر سورہ ہی میں یہودیوں پر یوں نیش زنی کی گئی ہے۔

(۲) اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ الایۃ — بیشک سب جانداروں میں بدترا اللہ کے نزدیک وہی ہیں جنہوں نے انکار کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے! ان میں سے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا وہ ہر بار اپنا عہد توڑتے ہیں اور ان کو ذرا خدا کا خوف نہیں ہے۔

سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں شر الدواب سے یہود اور کفار قریش دونوں کی تعریض ہے بلکہ اولیت یہود کو حاصل ہونی چاہیے اس لیے کہ اسلام کی فیصلہ کن لڑائی (بدر) میں باوجودیکہ ان کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور انہوں نے ان تمام عہود و مواثیق کو جو مسلمانوں سے تھے ایک ایک کرکے توڑ ڈالا۔ سوال یہ ہے کہ آخر انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ یہ اس لیے کیا کہ بدر کی فتح مبین نے انھیں اندیشہ ناک کر دیا تھا اور انھیں علانیہ نظر آنے لگا تھا کہ اسلام کا بے پناہ سیلاب ان کے خود غرضانہ اقتدار اور جابرانہ تسلط کو بہا لے جائے گا۔ اس لیے انہوں نے کھلم کھلا نقض عہد کا اعلان کر دیا چنانچہ طبقات ابن سعد میں بنو قینقاع کے تذکرہ میں ہے۔

فلما کانت وقعۃ بدر اظھروا البغی والحسد ونبذوا العھد والمرۃ، — جب یہ بدر کی لڑائی ہوئی تو یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ ڈالا۔

تکملہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳ اس قسم کا کوئی قرینہ سورۂ انفال کی زیر بحث آیت میں نہیں پایا جاتا۔ اس لیے الشیطان سے الیہود مراد لینا کسی طرح درست نہیں۔ رہی سورۂ مجادلہ کی دسویں آیت تو اس میں شیطان سے مراد یہود ہرگز نہیں ہیں۔ اس میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ خفیہ ساز بازکی باتیں کرنا ایک شیطانی فعل ہے یہ شیطان کی تحریک سے ہوتا

ایک دوسرے مقام پر اسی سورہ میں یوں ہے۔

(۳) وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ	اور تیار کرو ان کی لڑائی کے لیے جو کچھ جمع کر سکو قوت
وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ	سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھے
عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا	اللہ کے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسرے اعداء پر
تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (انفال ۔۶)	جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں آخرین سے ان دشمنان اسلام کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے جو بظاہر فتنہ وفساد سے دور رہتے ہیں لیکن حقیقت میں دبے ہوئے فتنوں کو وہی ہوا دیا کرتے ہیں[۱]۔ ظاہر ہے یہ عظیم الشان کام یا تو اغراض پرست یہود اچھی طرح انجام دے سکتے تھے یا منافقین اس لیے کہ یہ دونوں جماعتیں اغراض دنیا کی غلام تھیں۔ اور مسلم ہے کہ کوئی ساہوکار کسی جماعت کی کھلم کھلا مخالفت نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اُسے سب کا اندوختہ سمیٹنا ہوتا ہے اور اگر اسی طرح وہ لوگوں سے لڑائی لیتا رہے تو کیا خاک اس کا الو سیدھا ہوگا۔

سابق تصریحات سے حسب ذیل باتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

(۱) بدر کی لڑائی یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی آیت "وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ الخ" اس بارہ میں حجت قاطعہ ہے[۲]۔

(۲) یہودیوں کے نقض عہد کی وجہ مسلمانوں کی فتح مبین اور ان کے اغراض دنیہ کا تحفظ تھا۔ طبقات ابن سعد کی تصریح سابق اس بارے میں ناطق ہے اور اسی لیے قرآن نے انھیں شر الدواب سے موسوم کیا ہے۔

(۳) اعداء دین بالخصوص یہود و منافقین کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کو اسلحہ کی تیاری کے لیے اسی لیے ابھارا گیا ہے کہ جب تک وہ اندرونی فتنوں کا استیصال نہ کر لیں گے اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ آیت

[۱] ترجمان القرآن۔ آخرین من دونھم سے مراد یہود نہیں ہیں بلکہ ایسے دشمن ہیں جن کا حال مسلمانوں کو معلوم نہ تھا۔ یہود اور منافقین دونوں کے متعلق تو مسلمان بالیقین جانتے تھے کہ وہ دشمن ہیں۔

[۲] ترجمان القرآن۔ یہ سرے سے حجت ہی نہیں ہے قاطعہ تو درکنار۔

كُمْ
وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّ
وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ الخ فیصلہ کن ہے۔

ہمارے اس دعوی پر کہ بدر کی فتح مبین کے بعد یہودیوں نے کوئی نہ کوئی منزور شرارت کی چند اور قرائن بھی ہیں مثلاً۔

(۱) کبھی کبھی اسلام کی عظمت و وقار کم کرنے کے لیے وہ مشرکوں سے کہتے مذہب میں مسلمانوں سے زیادہ تم ہی اچھے ہو۔

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ (نساء) — اور وہ کافروں سے کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ راہ راست پر ہیں۔

(۲) اور کبھی کبھی مذہب اسلام کی عوام میں بے اعتباری پھیلانے کے لیے اسلام لا کر مرتد ہو جاتے تاکہ عوام مذہب اسلام سے متوحش ہوں ملاحظہ ہو۔

وَقَالَتْ طَّاۤىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران رکوع ۸) — اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ مسلمانوں پر جو دین اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لے آؤ، اور شام کو اس سے انکار کر دو شاید کہ یہ لوگ اسی طرح اس دین سے پھر جائیں۔

نظام سورہ سے استدلال | مولنا محترم نے خطاب کی وقت کے باب میں منجملہ اور وجوہ کے یہ بھی لکھا ہے کہ سورہ انفال کے ساتویں رکوع سے خطاب یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے یا مسلمانوں کی طرف ہے اس لیے آیات مستفسر عنہا کا خطاب بھی مسلمانوں ہی کی طرف ہونا چاہیے۔ لیکن مولنا کا یہ دعوی

لہ ترجمان القرآن۔ یہ تینوں باتیں ثابت سہی۔ مگر اس سے آپ کے مدعا کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ خطاب مسلمانوں کی طرف ہے اور انہیں دشمنوں سے خبردار کیا جا رہا ہے یہودیوں کی جانب کہیں خطاب نہیں۔

محتاج تفسیر ہے اس لیے ہم مضامین سورہ کی لحاظ نظام نمبروار تقسیم کرتے ہیں: (۱-۴) ان آیات میں کامل مسلمانوں کے اعلام گنائے گئے ہیں یعنی حقیقی معنی میں ایمان کی دولت سے وہی بہرہ مند ہیں جن میں تقویٰ اصلاح ذات البین اور اطاعت اللہ والرسول کا جذبہ کارفرما ہو اور جن کے قلوب الحب فی اللہ والبغض فی اللہ سے سرشار ہوں یہی جذبہ تھا جس نے حق و باطل کی فیصلہ کن لڑائی میں چند نفوس کو دل بادل کے مقابل کھڑا کر دیا تھا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس جذبہ میں کتنا اعجاز و سحر ہے اور اسی کا فقدان تھا کہ کچھ لوگ میدان میں آتے ہوئے ڈرتے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد ہی آیات (۵-۸) میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو باوجودیکہ صراحتہً جنگ کا حکم ہو گیا تھا، میدان جنگ میں اترتے ہوئے حیلے بہانے کر رہے تھے۔ اس کے بعد آیات (۹-۱۴) میں خدا نے غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں پر جو احسانات فرمائے ان کو بیان کیا ہے تاکہ کچے دلوں کے اندر توکل کی روح پیدا ہو اور باطل کی ظاہری طاقت سے (گو کہ بہت بڑھی چڑھی ہو) نہ دبیں اور ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو جائے کہ غلبہ حق ہی کو ہوگا گو کہ اس کے علمبردار مادی طاقت و قوت سے یکسر خالی ہوں۔ اس کے بعد آیات (۱۵-۱۹) میں مسلمانوں کو منجملہ اصول جنگ کے ایک نہایت ہی ضروری اصول کی تعلیم دی، یعنی یہ کہ صبر و استقامت کے بغیر جنگ ایک بے معنی شئے ہے۔ یہ روح جس جماعت کے اندر بھی پیدا ہو جائے گی اسباب الٰہی اس کی تائید کریں گے اور اگر یہ چیز حزب اللہ کے اندر ہو تو پھر کیا کہنا ہے؟ آسمان و زمین سب کے سب اس کی تائید کریں گے، خدا کی بے پناہ تلوار اعدائے حق کے لیے خود چمکے گی۔ بدر میں کیا ہوا؟ اسی چیز کا ثمرہ تھا کہ خدا کی غیر مرئی افواج اعدائے اسلام کے مقابل میدان میں اتر پڑیں (فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ) اس کے بعد آیات (۲۰-۲۳) میں اطاعت کاملہ پر زور دیا گیا ہے۔ یہ چیز اس سورہ میں اصول جنگ کے سلسلہ میں آئی ہے اس لیے

ہم کہیں گے کہ اصول جنگ میں سے ایک نہایت ہی اہم دفعہ ہے حقیقت تو یہ ہے کہ لڑائی میں یہ قدم اول ہے اس کے بغیر جماعت بھیڑوں کا انبوہ ہوگی۔ جماعت کے مقدس لفظ کا اس پر اطلاق نہ ہوگا۔ تفصیل کے لیے سورہ کو غور سے پڑھنا چاہیے اس کے بعد آیات (۲۴-۲۶) میں اسی دفعہ کی جو اس سے پہلے والے سلسلہ میں بیان کی تھی تشریح کر دی یعنی امیر کی ہر دعوت پر لبیک کہنا چاہیے ورنہ اعداء کے مقابل میں ٹکنا آسان نہیں اس کے بعد آیات (۲۷-۲۸) میں انفاق مال و نفس کی دفعہ بتائی گئی ہے۔ بظاہر یہ دفعہ بہت سخت ہے لیکن اسلام کی تو تعبیر ہی یہی ہے "إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَمْوَالَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا الخ) واقعہ یہ ہے کہ انسان سراً و جہراً جو خیانت بھی کرتا ہے وہ دو ہی چیزوں سے متعلق ہوگی۔ یا تو مال سے یا جان عزیز سے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کیا معلوم کہ ان آیات میں انفاق مال و نفس کا مطالبہ کیا گیا ہے؟ تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ آیت "وَاعْلَمُوْٓا أَنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّأَنَّ عِنْدَهٗٓ أَجْرٌ عَظِيْمٌ" جو اسی سلسلہ میں ہے معلوم ہوتا ہے اس کے بعد آیات (۲۹-۴۴) میں مسلمانوں کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے لیکن اسے مشروط قرار دیا ہے تقویٰ پر۔ یعنی جب یہ روح مسلمانوں میں زندہ ہو تو پھر ان کی راہ ترقی میں کوئی چیز بھی روک نہیں بن سکتی بلکہ موانع راہ خود اس کی اعانت کریں گے اور باطل قوتوں کے پرزے پرزے اڑ جائیں گے۔ چنانچہ بدر کی تازہ مثال نظروں کے سامنے ہے۔ اس کے بعد آیات (۴۵-۶۴) میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ جب وہ جنگ کے لیے نکلیں تو ان کی زبانیں اسماء الٰہی سے زمزمہ سنج ہوں۔ ایسا کیوں حکم دیا گیا؟ اس میں یہ راز ہے کہ ان کے اندر اعلاء کلمۂ حق اور ابطال باطل کا جذبہ پیدا ہو۔ ان کا جینا اور مرنا حق کی خاطر ہو۔ نمود و نمائش کے لیے نہ ہو۔ اس کے بعد جب حزب اللہ کی تشکیل ہو چکی تو آیات (۶۵-۶۶) میں اعلان کر دیا کہ اگر دفعات مذکورہ کی روحانیت تمہارے اندر پیدا ہو گئی تو یقین کرو کہ چاہے تعداد میں تم کتنے ہی کم ہو، فتح و کامرانی تمہارے ساتھ ہوگی اور باطل کے علم کے نیچے گو کہ کتنی ہی بڑی بھیڑ ہو

تمہارے مقابل میں نہیں ٹک سکتی اور اگر تمہارے مقابل آئے گی تو پاش پاش ہو جائے گی۔ اس کے بعد آیات (۶۷ - ۷۱) میں چند شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے[2]۔ شبہات و جوابات ترتیب وار ذیل میں درج ہیں۔

(۱) نبی تو سراپا رحمت بن کر آتے رہے ہیں لیکن یہ تو نبوت کے بھیس میں زمین کو خون سے رنگین کر رہا ہے بھلا نبی کی یہی شان ہوتی ہے۔

(۲) دیکھا توراۃ میں تو مال غنیمت کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن یہ نبی جائز کر رہا ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن۔ اوپر کے سلسلہ کو مد نظر رکھ کر ان آیات پر نظر ڈالنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ آیات کسی شبہ کو دور کرنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ جنگ بدر پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کی ایک اور کوتاہی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورہ کی ابتدا میں ایک کمزوری کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِهُوْنَ۔ اس کے بعد دوسری کوتاہی یہ بتائی گئی کہ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ۔ اب تیسری کوتاہی پر توجہ دلائی جا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے دشمنوں کا زور توڑ دینے کے بجائے مال کی طرف نگاہ کی۔ اس موقع پر دخل مقدر ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ آیات کے سیاق و سباق اور ان کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جس طرح خطاب اوپر سے مسلمانوں کی طرف چلا آ رہا تھا اسی طرح یہاں بھی خطاب مسلمانوں ہی کی طرف ہے۔

[2] ترجمان القرآن۔ یہ تمام شبہات جو فاضل مضمون نگار نے بیان کیے ہیں انیسویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئے ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے کسی یہودی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتے تھے۔ "نبی سراپا رحمت بن کر آتے ہیں" یہ یہودی کا تخیل نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ کی زندگی کا نقشہ جو توراۃ میں ہے اور جنگ کی جو اسرائیلی روایات کتب مقدسہ میں موجود ہیں ان کو دیکھ لیجیے پھر آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ زمین کو خون سے رنگین کرنے پر اعتراض کرنے والے اس دور کے یہودی ہو سکتے تھے یا انیسویں صدی کے مسیحی پادری؟ شبہ دوم بھی یہودیوں کے دماغ کی پیداوار نہیں ہے۔ ان کے دل میں اگر کوئی شبہ پیدا ہو سکتا تھا تو یہ کہ یہ نبی اپنے دشمنوں کے ساتھ اس قدر رعایت کیوں کرتا ہے۔ جس قوم کے مذہبی احکام یہ ہوں کہ دشمن قوم کے کسی متنفس کو جیتا نہ چھوڑو اور اس کے تمام اموال پر قبضہ کر لو، کیا وہ قیدیوں سے فدیہ لینے پر اعتراض کر سکتی تھی؟ رہا شبہ سوم تو ہر شخص اس کو دیکھ کر اول نظر میں کہہ دے گا کہ وہ مسیحی تخیل ہے۔ پس واقعہ یہ ہے کہ ہمارے فاضل دوست جن شبہات کی بنا پر قرآن میں دخل مقدر مان رہے ہیں وہ گذشتہ صدی عیسوی میں بین الاقوامی قانون کے تصورات سے پیدا ہوئے تھے اور اب بیسویں صدی میں قانون جنگ کے عملی ارتقا سے خود بخود ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے بے بنیاد شبہات کے لیے آیات اللہ کو قطعاً دفع و دخل مقدر کی ضرورت نہ تھی۔

ہم بھی تو آخر کتاب والے ہیں؟

(۳) اور انبیا ر تو دشمنوں سے پیار کرنے کی تاکید فرماتے تھے لیکن اس نے تو ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے، اس کے ظلم کی حد میدان ہی تک نہیں منتھی ہوتی قیدیوں سے فدیہ بھی وصول کیا جاتا ہے یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟ تمھیں لوگ فیصلہ کرو۔

(۱) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (۶۷-۶۸)

کسی نبی کے شایان شان یہ نہیں ہے کہ وہ قیدی کرے جب جائے کہ ارض الٰہی کو لالہ زار کردے تم متاع دنیا کے غلام ہو خدا کو تو آخرت مطلوب ہے اور خدا عزیز اور حکیم ہے اگر خدا کا قرار دادہ نہ گذر چکا ہوتا تو تمہاری حرکت پر عذاب الٰہی آکر تمہارا خاتمہ کر دیتا۔

(۲) فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (۶۹)

پس کھاؤ مال غنیمت حلال طیب سمجھ کر اور تقوی اختیار کرو ضرور خدا غفور اور رحیم ہے۔

(۳) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ (۷۰-۷۱)

اے نبی! کہدے ان قیدیوں سے جو تم لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہیں کہ اگر خدا تمہارے دلوں میں صلاحیت پائے تو اس سے زیادہ بہتر چیز (دولت ایمان) دیگا جو تم سے لی گئی ہے (یعنی فدیہ) اور تمہاری لغزشات معاف کر دے گا! ور خدا بہت ہی مغفرت کرنے والا اور رحیم ہے اور اگر وہ تمہیں دھوکہ دیں گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں، اس سے پہلے بھی وہ خیانت کر چکے ہیں تو اس نے ان کو تمہارے قابو میں دیدیا اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔

اس کے بعد آیات (۷۲-۷۵) میں حقیقی مسلمانوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں مال و جائداد سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔

دیکھیے پیش نظر سورہ کی ابتدا اور اختتام کی آیات (۱-۴-۷۲-۷۵) میں بلحاظ نظم بہت کم فرق ہے۔ وہ یہ کہ ابتدائی آیات میں کلیات دین پر بہت زور دیا گیا ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ اور اختتام کی آیات میں لوازم ایمان بتائے ہیں۔ ایک لحاظ سے سورہ آیت (۶۵) پر ختم ہو جاتی ہے اور آیت (۶۶) آیۃ ناسخہ ہے اور آیات (۶۷-۷۱) دفع اعتراضات میں واقع ہیں۔

ایک ضروری اصول اس مقام پر ایک نہایت ضروری اصول بیان کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا وہ یہ کہ قرآن پاک کی جن آیات میں شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ انھیں چند قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے بعض تو ایسی ہیں جن کے سوالات مذکور ہیں اور سوال کے بعد ہی جواب دیا گیا ہے مثلاً یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ۔ اور بعض دخل مقدر کے جواب میں واقع ہیں مثلاً وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ۔ پچھلے صفحات میں اس سے متعلق ہم بہت سے شواہد نقل کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور بعض آیات میں ایسے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جن میں پیغمبر اور مسلمانوں کے اعمال و منہاج پر اعتراض کیا گیا ہے مثلاً تحویل قبلہ کی بابت جب حکم آیا تو یہودیوں نے مسلمانوں کو اسلام کے خلاف ورغلایا ملاحظہ ہو:—

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا	ناسمجھ لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو اس قبلے
وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا	پھیر دیا جس پر وہ اس سے پہلے تھے؟ جواب میں
قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا	کہدو کہ اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی تم جس طرف

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ الایۃ (بقرہ) بھی پھروگے اسی طرف اللہ ہے۔

تفصیل بالا سے وہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ اس طرح دخل مقدر محذوف ہوتا ہے تو کیوں نہ آیات مستفسر عنہا میں بھی دخل مقدر مان لیں جب کہ کوئی وقت بھی نہیں ہے۔ رہی ابن عباس اور دیگر مفسرین کی تصریح تو انشاء اللہ اگر ضرورت ہوئی تو اس کی تحقیق ہم آئندہ کریں گے۔